افغانستان کا بحران ۸۹-۱۹۷۹ء اور
بھارت کے مفادات

ذوالفقار اے خالد

پوسٹ ڈاکٹورل فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد

تعارف

بھارت کے سابق سیکرٹری خارجہ جگت ایس مہتا گہر افشانی فرماتے ہیں کہ "بھارت کے ساتھ قسمت کی یہ ستم ظریفی رہی کہ ہم نے اصولوں اور حفظ ماتقدم پر مبنی اپنی ڈپلومیسی کو خیرباد کہہ دیا اور یوں علاقائی ہم آہنگی کے اپنے طویل المیعاد مفادات کو اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ اب ہم مینڈھ پر بیٹھے ہیں (یا لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جانبدار ہیں) اور اس طرح ایک ایسے افغانستان کی برملا تلاش میں معذور بنے بیٹھے ہیں جو جمہوری طور پر جوابدہ ذمہ دارانہ طور پر اعتدال پسند اور غیر جانبدار ہو" (۱)۔ بھارت کی افغان پالیسی کے بارے میں بظاہر اس درد ناک جائزے کی پشت پر نئی دہلی کی وہ دس سال پرانی موقع پرستی کار فرما ہے جس کی رو سے اپنے ہمسائے میں یہ ناسور بھارت کی اس خارجہ پالیسی کے لئے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے ناپسندیدہ کی بجائے مفید ہے۔

سوویت یونین سے زیادہ زیادہ فوجی و اقتصادی فوائد اینٹھنے کی غرض سے نئی دہلی نے خود کو کابل انتظامیہ سے بھرپور طور پر وابستہ رکھا جو غیر جانبدار مبصروں کی نظر میں عسکری طور پر محصور، اخلاقی لحاظ سے بدعنوان اور سیاسی اعتبار سے باہر سے مسلط کی ہوئی تھی تاہم بھارت کی طرف سے کابل انتظامیہ کی یہ حمایت افغان بحران کے بارے میں کبھی کبھی کے چند عہدیداروں کے رسمی بیانات سے آگے نہیں بڑھی۔ بھارتی قیادت نے نہ صرف سوویت مداخلت کو نظر انداز کر دیا بلکہ ایک چھوٹے ملک کی خود مختاری اور اس کی غیر جانبدار حیثیت سے مکمل طور پر صرف نظر کرتے ہوئے اس کو بڑی ڈھٹائی سے درست بھی قرار دیا۔ اس بحران سے حاصل ہونے والے اقتصادی سیاسی اور فوجی فوائد کی خاطر اور اسے پاکستان پر دباؤ ڈالنے اور اسے بدنام کرنے کا ایک اچھا موقع جانتے ہوئے نئی دہلی نے بھارت سوویت اثر کے سیاق و سباق میں اقتصادی بحران تھم کو سودا بازی کے طور پر استعمال کیا۔ یہ موخر الذکر پہلو اس مضمون کا اصل موضوع ہوگا اور بھارت کی افغان پالیسی کا ایسا بے لاگ تجزیہ جس سے معلوم ہو سکے کہ اس نے کیا کھویا کیا پایا، پاکستان کے خلاف نئی دہلی کے علاقائی تناظر میں اس کے مخاصمانہ رجحانات پر مرکوز ہو گا۔

افغانستان کے بارے میں بھارتی پالیسی کا ریکارڈ درست رکھنے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس نے اس کے جلد تصفیے کی راہ میں کس کس طرح کی رکاوٹیں ڈالیں ہم معاصر تاریخ (۸۹-۱۹۷۹ء) سے افغانستان کے بارے میں بھارت کی پالیسی سے ٹھوس حقائق تلاش کر سکتے اور جان سکتے ہیں کہ اس نے کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ سے کیوں خود کو مکمل طور پر وابستہ کیا اور یہ تکلیف دہ تفصیلات بھارت کی اس اچانک خواہش کی قلعی کھولیں گی جو افغانستان کے بحران میں اپنا کردار ادا کرنے کی تہہ میں کار فرما ہے۔

بھارت افغان تزویراتی مقاصد ۸۷-۱۹۴۷ء پاکستان کے تناظر میں بھارت افغانستان خارجہ پالیسیاں اور حفاظتی معاملات تقریباً تین دہائیوں تک زیادہ تر مندرجہ ذیل تین مشترکہ باتوں پر مرکوز رہے۔

- اہم لسانی علاقوں کے حصول کے لئے پاکستان کے ساتھ تنازعات
- غیر جانبدار حیثیت اور فوجی معاہدوں کی مخالفت اور
- سوویت یونین کے ساتھ دوستی

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب برصغیر سے برطانیہ کے واپس چلے جانے کے بارے میں برطانیہ کے ارادے واضح ہو گئے تو افغانستان کی حکومت نے حکومت برطانیہ سے اس بات کی یقین دہانی کرانے کو کہا کہ بھارت اور پاکستان کو آزادی مل جانے کے بعد سرحد کے ان علاقوں کے باشندوں کو جن کا برطانوی راج نے انیسویں

صدی میں اپنے ساتھ الحاق کر لیا تھا یہ فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے گا کہ چاہے تو وہ آزاد ہو جائیں یا "مادر وطن" یعنی افغانستان کے ساتھ اپنا الحاق کریں ۔ اس پر مستزاد افغانیوں نے مطالبہ کیا کہ بلوچستان کے راستے افغانستان کو ایسی ایک پٹی دی جائے جس سے وہ بیرونی دنیا سے بہ آسانی تجارت کر سکیں اور یوں ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو سکے ۔ اہم لسانی علاقوں کے حصول کے لئے افغانستان کے وعدے کے جواب میں کانگرس کے لیڈر اور غیر منقسم ہند کی حکومت میں اس وقت کے وزیر خارجہ جواہر لعل نہرو نے کہا کہ اگر تاریخ سے اخذ کردہ اپنی پسند کے دعوؤں نے افغانستان کو شمال مغربی سرحد (موجودہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان) پر اپنا اقتدار جمانے کا حق دیا ہے تو کابل پر برصغیر کی سابق حکمرانی کی بدولت بھارت کو بھی یہ قانونی حق پہنچتا ہے کہ وہ ڈیورینڈ لائن کے پار ہندو کش تک پھیلے ہوئے افغانستان کے علاقے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

خیر جو کچھ بھی سہی ، قیام پاکستان کے بعد انہی نہرو نے ڈیورینڈ لائن کے پار اہم لسانی علاقوں کے حصول کے لئے افغانستان کے دعوؤں کی پشت پناہی شروع کر دی اور نام نہاد پختونستان کی ترویج و اشاعت میں سیاسی طور پر کابل کی بھرپور حمایت کی ۔ حکومت افغانستان نے اپنے علاقائی دعوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کی قبائلی پٹی میں سرگرمی کے ساتھ تخریب کاری کو ہوا دینے کی پالیسی شروع کر دی ۔ برصغیر سے انگریز کی واپسی کے بعد جب برطانوی ہند اور افغانستان کے درمیان سرحد پاکستان افغانستان سرحد میں بدل گئی تو نئی جغرافیائی سیاسی صورت حال نے بھارت کی نظر میں ایک بالکل ہی نرالی تزویراتی صورت حال اختیار کر لی ۔

قیام پاکستان سے نہ صرف بھارت اور افغانستان کے درمیان ایک طبعی خلیج پیدا ہوئی بلکہ ان کی باہمی تجارت بھی منفی انداز میں متاثر ہوئی ۔ اگرچہ وہ بتدریج اپنے تجارتی تعلقات کو بہتر بنانے میں تو کامیاب ہو گئے تاہم وہ ایک بڑی رکاوٹ یعنی بھارت اور محروم سمندر افغانستان کے درمیان براہ راست بری یا بحری راستے کے فقدان پر قابو پانے میں ناکام رہے۔

پاکستان کا قیام اپنے جلو میں ایک طرف تو نوزائیدہ مملکت کے لئے بھارت کے ساتھ کشمیر کا تنازعہ لایا تو دوسری طرف ڈیورینڈ لائن کی قانونی حیثیت کے بارے میں اختلافات کا تحفہ ملا ۔ پاکستان کے ساتھ ان بھارت پاکستان تنازعات نے نئی دہلی اور کابل کو دوستی کی ایک نئی بنیاد فراہم کی اور پاکستان کے بارے میں ان کے مشترکہ نقطہ نظر نے سوویت یونین کے ساتھ جو مغرب کے فوجی معاہدوں میں پاکستان کی شمولیت کے سبب اس سے ناراض ہو گیا تھا ایک پاکستان مخالف روش کی طرح ڈالنے کے ضمن میں تعاون کی بنیاد فراہم کی۔

پاکستان کے خلاف بھارت افغانستان رویے سے دوسری باتوں کے علاوہ علاقے میں اسلحہ کی دوڑ میں اضافہ ہوا جو سب کے لئے ناپسندیدہ نتائج کی حامل تھی۔

سرد جنگ کے عروج کے دوران بھارت اور افغانستان نے امریکہ کے خلاف توڑ کے طور پر سوویت یونین کی سہل الحصول حمایت پر بہت بھروسہ کیا ۔ ماسکو نے جو پاکستان کی کھلی امریکہ نواز پالیسی کے سبب اس سے نمٹنے کا خواہش مند تھا پاکستان کے ساتھ بھارت اور افغانستان کے تنازعات میں ان کی واضح حمایت کی (۲) ۔ چنانچہ اس صورت حال نے کہ پاکستان بھارت اور افغانستان کا مشترکہ دشمن تھا اور سوویت یونین ان کا مشترکہ سرپرست تھا ۔ بھارت اور افغانستان کے درمیان دوستی کی ٹھوس بنیاد فراہم کر دی ۔ دونوں ملک غیر جانبدار پالیسی پر زور دیتے تھے اور دونوں ملکوں کے اخبارات اس کی حمایت کرتے تھے ۔ اپنی خارجہ پالیسیوں کے غیر جانبدار عنصر کے علاوہ بھارت اور افغانستان دونوں نے مختلف عالمی اور علاقائی مسائل یعنی جنگ کوریا ، تیونس اور مراکش کی آزادی ، نسلی امتیاز اور کانگو کے بحران وغیرہ پر مشترک موقف اختیار کیا ۔ بھارتی لیڈروں نے افغانستان کے اور افغان لیڈروں نے بھارت کے بڑے جوش و خروش کے ساتھ خیر سگالی دورے کئے ۔

پاکستان کے بارے میں افغانستان کی پالیسی تشکیل دینے اور بھارت افغانستان دوستی کی تعمیر کرنے میں سردار داؤد خان کا بہت بڑا ہاتھ تھا جو سابق شاہ ظاہر شاہ کے قریبی ساتھی اور چچیرے بھائی تھے ۔ افغانستان کے وزیر اعظم کے عہدے سے بڑے چپ چپاتے انداز میں اپنی برطرفی سے پہلے داؤد خان کے متعلق یہ بات بڑی مشہور تھی کہ وہ پاکستان کے مخالف ، بھارت کے دوست اور پختونستان کے زبردست حامی تھے ۔ چونکہ ان کی خارجہ پالیسیاں بڑی حد تک وہی تھیں جو بھارت اور سوویت یونین کی تھیں ۔ چنانچہ ماسکو اور نئی دہلی دونوں کی نظر میں وہ بہت عزیز تھے ۔ نتیجتہ ایک دہائی کے وقفے سے جب انہوں نے ظاہر شاہ کو اکھاڑ کر خود اس کی جگہ لی اور افغانستان کو جمہوریہ بنانے کا اعلان کیا تو بھارت اور سوویت یونین نے اس انقلاب

کے ممکنہ مخالف رد عمل سے نمٹنے کے لئے خوب خوب ان کے ہاتھ مضبوط کئے ۔ چنانچہ ایک بہت مربوط فوجی اقدام کے طور پر بھارت نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحد پر اور سوویت یونین نے اپنی فوجیں دریائے آمو کے کنارے لا کھڑی کیں ۔ گویا یہ چین ' سابق شاہ ایران اور پاکستان کو ایک واضح انتباہ تھا کہ وہ افغانستان کی اس صورت حال کو جو ابتداء میں غیر مستحکم تھی اپنے حق میں استعمال کرنے سے باز رہیں ۔

داؤد خان نے اپنی حیثیت مضبوط کر لینے کے بعد خود کو رفتہ رفتہ فوج سے اور ان کی حکومت میں جو بائیں بازو کے عناصر تھے ان کے اثرات سے چھٹکارا حاصل کرنے ' نیز سوویت یونین اور مغربی طاقتوں کے ساتھ افغانستان کے تعلقات میں توازن پیدا کرنے کی کوشش میں سعودی عرب اور ایران جیسے مغرب نواز ملکوں کے ساتھ جنہیں امریکہ کی حمایت حاصل تھی ' اقتصادی امداد کے سمجھوتے کئے اور ان دونوں ملکوں نے " اس شرط پر کہ داؤد خان سوویت یونین سے چھٹکارا حاصل کر لے انہیں غیر محدود اقتصادی امداد کی پیش کش کی (۳) ۔ سوویت یونین پر انحصار کم کرنے کے لئے افغان افسروں کو فوجی تربیت کے لئے بھارت اور مصر بھیجنا شروع کیا ۔ افغانستان کی سوویت اثرات سے آزاد ہونے کی ان کوششوں کی سوویت یونین نے مزاحمت کی ۔ اس نے داؤد خان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوششیں تیز کر دیں اور آخر انہیں اپریل ۱۹۷۸ء کے انقلاب میں قتل کرا دیا گیا ۔

افغانستان میں سوویت نواز عناصر اور ان کی امداد سے جو انقلاب ثور آیا تھا وہ وہاں ایک انتہائی پیچیدہ اور غیر واضح سیاسی صورت حال پر منتج ہوا ۔ بے لگام واقعات کے سلسلے اور کابل کی مختلف حکومتوں کے ماسکو نواز کردار کو کنٹرول کرنے ' ان کی سمت نمائی ' ایک مخصوص انداز میں ڈھالنے اور سب سے بڑھ کر ان کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے سوویت فوجیں پہلے ترہ کی ' اس کے بعد امین اور سب کے آخر میں کارمل کی درخواستوں پر جس نے سوویت افغان دوستی و تعاون کے معاہدے کی لازمی شق پر عمل در آمد کے لئے کہا تھا ' افغانستان پہنچنا شروع ہو گئیں ۔ افغانستان کو " انقلاب دشمنوں " سے بچانے کے لئے نام نہاد " محدود دستے " کی آمد نے ملک کو ایک خوں ریز بلااعلان خانہ جنگی میں جھونک دیا جو اپنی شدت میں کسی کمی کے بغیر جاری چلی آ رہی ہے ۔

افغانستان کی اس مسلسل خانہ جنگی نے نہ صرف اس کے پڑوسیوں بلکہ دوسرے ملکوں کو بھی اپنی حفاظت اور اپنی خارجہ پالیسی کے تناظرات کو اپنے اپنے قومی مفادات کے مطابق نئی ترتیب دینے پر مجبور کر دیا ۔ اگر ایک طرف سوویت یونین نے اس بحران کو اس امید پر مستحکم کرنے کی کوششیں کیں کہ یہ بات وسطی ایشیا کے جنوب میں ماسکو کی پالیسیوں کے حق میں فائدہ مند ہو گی تو دوسری طرف بھارت کی طرف سے جس کے افغانستان کے بحران کے ساتھ کچھ اپنے مفادات وابستہ تھے ایسے واضح اشارے ملے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ افغانستان میں سوویت یونین کی مداخلت سے زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ غیر جانبدار ملکوں کی ان توقعات کے برخلاف کہ بھارت سیاسی ذرائع کام میں لا کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرے گا ۔ نئی دہلی نے عملاً افغانوں کی قومی امنگوں کے خلاف سوویت یونین اور اپنے مقاصد میں ہم آہنگی پیدا کرنا پسند کیا ۔

بھارت کے افغان تناظرات ۸۹ ـ ۱۹۷۹ء

جنتا دل حکومت کا رد عمل

افغانستان میں انقلاب ثور اور اس کے اندرونی معاملات میں حد درجہ سوویت مداخلت کے بعد افغانستان کی سیاسی صورت حال میں ابتری کے ضمن میں بھارت کے خارجہ سیاسی تناظرات بظاہر بھارت کے غیر جانبداری کے ان اصولوں کے ساتھ میل نہیں کھاتے جن کا وہ دعویٰ کرتا ہے ۔ جب تک سوویت فوجیں افغانستان نہیں پہنچی تھیں افغانستان میں پھر سے استحکام قائم کرنے اور وہاں بیرونی طاقتوں کی مداخلت کو ختم کرنے کے لئے نئی دہلی نے ایک سے زیادہ مرتبہ کہا (۴)۔ یہ بات کہ بھارت میں مرار جی ڈیسائی کی سرکردگی میں قائم ہونے والی جنتا حکومت نے افغانستان کے بارے میں سوویت یونین کی توضیحات اور اس کے تناظرات کو کبھی پوری طرح قبول نہیں کیا ۔ اس مشترکہ بیان سے واضح ہے جو مرار جی ڈیسائی اور سوویت وزیر اعظم مسٹر الیکسی کوسیجن کی ملاقات کے بعد ۱۴ جون ۱۹۷۹ء کو ماسکو سے جاری ہوا تھا ۔

بھارت اور سوویت یونین جمہوریہ افغانستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور تعاون قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں اور وہ افغان عوام کی قومی آزادی کے برقرار رکھنے اور ان کی ترقی کے لئے ان کی امنگوں کی خواہش کا محکم طور پر اظہار کرتے ہیں ۔ وہ افغانستان کے

معاملات میں کسی بھی بیرونی طاقت کی مداخلت کی مخالفت کرتے ہیں (۵)۔

بعد میں یہ پتا چلا کہ مذکورہ بالا پٹی پٹائی سفارتی لفاظیت کے باوجود بھارت کے وزیر اعظم نے صدر بریژنیف کو مشورہ دیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اگر پاکستان نے افغانستان میں اپنی مبینہ مداخلت جاری رکھی تو سوویت یونین اس سے لا تعلق نہیں رہ سکتا کہ کابل حکومت کو چاہئے کہ وہ اپنی پریشانیوں کا الزام پاکستان کی مداخلت پر دھرنے کی بجائے افغان عوام کے اندر اعتبار حاصل کرنے کی کوشش کرے (۶) ۔ بھارتی وزیر اعظم مسٹر ڈیسائی نے سوویت یونین کے دورے کے بعد نئی دہلی سے ۲۵ جون ۱۹۷۹ء کو اس طرح کا ایک بیان جاری کیا کہ ان کی حکومت افغانستان اور پاکستان کے درمیان مصالحت کرانے پر تیار ہے پاکستان نے یہ کہہ کر کہ " یہ بات پوری طرح پاکستانی موقف کے مطابق ہے" بھارت کے نقطہ ءنظر کو خوش آمدید کہا (۷)۔

نئی دہلی جہاں اس وقت نگراں وزیر اعظم چرن سنگھ کی حکومت تھی جو سوویت فوجی مداخلت کے موقع پر ماسکو کے ڈھول پیٹ اقدامات کے مضمرات کا اندازہ کرکے حالات کی تبدیلی پر اپنی گہری تشویش اور فکر مندی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکی۔ اگرچہ چرن سنگھ نے جو بات کہی تھی وہ بھارت کے ان اصولوں سے جن کا وہ مدعی تھا یا کم از کم غیر جانبدار فلسفے سے مطابقت رکھتی تھی پھر بھی ان کو بدنام کرنے والوں اور انتہا پسندوں نے انہیں اپنے درپردہ مقاصد کے تحت ایسا شخص قرار دیا جسے بین الاقوامی سیاست کی پیچیدگیوں سے اتنی ہی واقفیت تھی جتنی کسی بھینس کو کانٹ کے فلسفے سے ہو سکتی ہے (۸) ۔ تاہم افغانستان میں سوویت فوجی مداخلت کے بعد ماسکو کی توقعات کے برخلاف چرن سنگھ کی حکومت نے سوویت سفیر پر یہ واضح کر دیا کہ بھارت کی نظر میں " فوجوں کی ترسیل پورے علاقے کے لئے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ہو گی (۹) ۔ سوویت یونین کو چاہئے کہ وہ اپنی فوجوں کو واپس بلالے اور صورت حال کو " معمول کے مطابق " لے آئے ۔ بعد میں جب نئی دہلی میں مسز اندرا گاندھی نے اقتدار سنبھالا تو جنتا گورنمنٹ کی افغان پالیسی اور علاقائی خارجہ پالیسی مکمل طور پر پلٹا کھا گئی ۔ جنتا گورنمنٹ کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ سمرندرا کنڈو نے بھارت کی ان دو حکومتوں کی پالیسیوں کے درمیان جو وہاں اوپر تلے برسر اقتدار آئی تھیں تکلیف دہ فرق کو مندرجہ ذیل الفاظ میں یوں سمیٹا ہے۔

" جنتا دور میں ہم نے سپر طاقتوں کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنائے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کو غیر جانبدار تحریک میں لائے لیکن چرن سنگھ کی نگران حکومت کے آخری دنوں میں سوویت فوج نے افغانستان پر ہلہ بول دیا ۔ چرن سنگھ نے اس جارحیت کی حمایت نہیں کی اور سوویت یونین سے کہا کہ وہ اپنی فوجوں کو واپس بلالے ۔ جب اندرا گاندھی وزیر اعظم بنیں تو اقوام متحدہ میں بھارتی مستقل نمائندے نے سوویت مداخلت کی عملاً حمایت کی ۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس نے غیر جانبدار ملک کی حیثیت سے بھارت کی ساکھ کو نقصان پہنچایا (۱۰) ۔"

(ب) مسزاندرا گاندھی کی آمد

مسز اندرا گاندھی نے وزیر اعظم کی حیثیت سے باقاعدہ عہدہ بھی نہیں سنبھالا تھا کہ انہوں نے افغانستان میں سوویت فوجی مداخلت کے بارے میں چرن سنگھ کے موقف کو مکمل طور پر تبدیل کرنے کے لئے کہا ۔ ۱۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو اقوام متحدہ میں بھارت کے نمائندے برجیش مترا کو ہدایت بھیجی کہ وہ مندرجہ ذیل خطوط پر افغانستان کے بحران کے بارے میں بھارتی پالیسی پر ایک بیان جاری کریں (۱۱)۔

- سوویت یونین نے ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء کو کابل کی کارمل انتظامیہ کی درخواست پر افغانستان میں فوجیں بھیجی تھیں۔
- اگرچہ بھارت کسی ملک میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی کے خلاف ہے تاہم کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ سوویت یونین جیسے دوست ملک کی اس بات پر یقین نہ کرے کہ جونہی کابل حکومت کہے گی وہ افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلالے گا۔
- بھارت کو امید ہے کہ سوویت یونین افغانستان کی آزادی کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور ضرورت سے ایک دن بھی زیادہ اپنی فوجیں وہاں نہیں رکھے گا۔
- سوویت کارروائی پر امریکہ ، چین ، پاکستان اور دوسرے ملکوں نے جس رد عمل کا اظہار کیا ہے بھارت کو اس پر سخت تشویش ہے کیونکہ افغان باغیوں کو مسلح کرنا اور انہیں تربیت دینا اور افغانستان میں تخریبی کارروائیوں کی حوصلہ افزائی کرنا افغانستان کے معاملے میں مداخلت کے مترادف ہے۔

جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۴ جنوری ۱۹۸۰ء کو ایک قرار

داد منظور کی جس میں افغانستان پر سوویت یونین کے حملے کی مذمت کی گئی تھی اور یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہاں سے غیر ملکی فوجیں فوری، غیر مشروط اور مکمل طور پر واپس چلی جائیں تو بھارت نے ان ملکوں کا ساتھ دیا جنہوں نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اس نے سوویت یونین کو خوش کرنے کی خاطر ان غیر متعلقہ علاقائی مسائل کو نمایاں کر کے جن کا افغانستان کے بحران سے کوئی تعلق نہیں تھا عالمی توجہ کو اصل مسئلے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر مسز گاندھی نے اس بات پر زور دیا کہ اڈوں کی تعمیر، چھوٹے اور درمیانے درجہ کے ملکوں کو اسلحہ کی ترسیل اور بحر ہند میں بحری سرگرمیوں میں اضافہ سرد جنگ کو تیز کرنے اور بھارت کے لئے خطرے کا موجب ہوگا (۱۲)۔

اگلے دو برسوں میں سوویت یونین کے اقدام کے خلاف اس عالمی اور علاقائی رد عمل کو محدود کرنا بھارتی پالیسی میں نمایاں رہا جس سے نئی دہلی کے نئے قومی مفادات کو زک پہنچتی ہو۔ در حقیقت بھارتی قیادت نے بڑے واضح طور پر اور انتہائی سرعت کے ساتھ سوویت یونین کی افغان پالیسی کی تعریف کرنے میں حصہ لیا۔ بھارت سوویت تعلقات کے سیاق و سباق میں افغانستان کے بحران کے ضمن میں بھارت کی پالیسی کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ اس بحران کو ایک غیر متعلقہ ناگوار عنصر کے طور پر دیدہ و دانستہ ایک طرف رکھدینا چاہتا تھا تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ گھٹ گھٹ کر خود بخود سیاسی تصفیے کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے (۱۳)۔ فروری ۱۹۸۱ء میں نئی دہلی میں غیر جانبدار ملکوں کے وزرائے خارجہ کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں اس کے شرکاء نے یہ توقع ظاہر کی کہ کانفرنس کا میزبان اور تحریک کا ایک ممتاز علمبردار ہونے کی حیثیت سے بھارت کو ایک غیر جانبدار ملک کے خلاف سوویت یونین کی فوجی کارروائی کی مذمت کر کے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے نیز اسے چاہئے کہ وہ افغانستان سے سوویت یونین کی فوجوں کی فوری واپسی کا مطالبہ کرے۔ لیکن نئی دہلی نے قرار داد کا جو مسودہ تیار کیا وہ افغانستان کی آزادی اور اس کی غیر جانبدار حیثیت کی حمایت سے آگے نہیں بڑھا اس میں افغانستان میں سوویت یونین کی فوجوں کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا (۱۴)۔

۱۹۸۲ء میں اپنے ماسکو کے دورے میں مسز اندرا گاندھی نے اس بات کا دھندلا سا تاثر دیا گویا کہ بھارت افغانستان سے سوویت یونین کی فوجوں کی واپسی کے حق میں ہے مگر انہوں نے یہ موقف اختیار کر کے فوراً ہی اس تاثر کو زائل کر دیا کہ افغانستان کی سر زمین سے سوویت یونین کی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کرنا خود افغانستان کی حکومت کا کام ہے اور اسی سانس میں انہوں نے یہ سوال بھی اٹھا ڈالا کہ ایسی صورت میں کہ باغی غیر ملکی ذرائع سے اسلحہ حاصل کر رہے ہیں افغانستان کی حکومت کس طرح سوویت یونین سے اپنی فوجیں واپس بلانے کو کہہ سکتی ہے (۱۵)۔ حاصل کلام یہ کہ وہ کہنا یہ چاہتی تھیں کہ نہ تو بیرونی مداخلت ختم ہوگی اور نہ سوویت یونین سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی فوج افغانستان سے واپس بلائے گا۔ بہرحال بھارت کی خواہش تھی کہ مغربی طاقتیں افغانستان کے بحران کو "مجموعی" شکل میں دیکھیں، وہ بات چیت کے ذریعے بحران کا تصفیہ چاہتا تھا یعنی اسلام آباد اور کابل براہ راست آپس میں بات کریں (۱۶)۔ ۱۹۸۳ تک بھارت نے اپنے افغان تناظرات کو مندرجہ ذیل بنیادوں پر منطقی شکل دے دی۔

- سوویت یونین نے افغانستان میں اس لئے مداخلت کی کہ کابل حکومت مشکل میں پھنسی ہوئی تھی اور سوویت یونین کی امداد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔
- سوویت یونین نے کابل حکومت کی درخواست پر اپنی فوجیں افغانستان بھیجی تھیں۔
- افغانستان میں سوویت یونین کی موجودگی چنداں بری نہیں کیونکہ وہاں اس کی عدم موجودگی سے علاقے میں عدم استحکام پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔
- تاہم حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں سوویت یونین کی مداخلت بھارتی پالیسی اور اس کے رویے میں مندرجہ ذیل سمیت متعدد امور کا عمل دخل تھا (۱۷)۔
- نئی دہلی ماسکو سے بیگانگی نہیں برت سکتا تھا جس نے مسئلہ کشمیر نیز مشرقی پاکستان کے بحران میں بھارت کا ساتھ دیا تھا۔
- بھارت نے اگست ۱۹۷۱ء میں سوویت یونین کے ساتھ ایک دفاعی معاہدے پر دستخط کئے تھے اور ماسکو اور کابل بھی اسی قسم کے معاہدے میں ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ چنانچہ بھارت کو سوویت یونین کی اس منطق پر خاموش رہنا پڑا کہ موخر الذکر معاہدے کے تحت سوویت فوجوں کے بھیجنے کے لئے کابل حکومت کی درخواست کا پاس کرنے پر مجبور تھا (اگرچہ حقیقت یہ تھی کہ کابل پر سوویت یونین کا حملہ بلا جواز تھا۔ افغانستان کی حکومت نے فوجیں بھیجنے کے لئے اس سے کوئی درخواست نہیں کی تھی)
- مسز اندرا گاندھی کا خیال تھا کہ افغانستان میں سوویت یونین

کی کارروائی مغربی ایشیا میں واشنگٹن کی کارروائیوں کا رد عمل تھا۔

○ سوویت یونین کے حق میں بھارت کے رویے کو متاثر کرنے میں بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کا اپنا ذاتی عنصر شامل تھا کہ جب ۱۹۷۷ء میں وہ اقتدار میں نہیں رہی تھیں تو امریکہ نے انہیں یکسر نظر انداز کردیا تھا جبکہ سوویت یونین نے بدستور ان سے ربط و ضبط قائم رکھا۔

○ سوویت یونین کی فوجی مداخلت نے بھارت کو پاکستان کا عملاً محاصرہ کرنے کا بہترین موقع فراہم کیا اور ۱۹۸۴ء کے اواخر میں اپنے قتل کے وقت لگ بھگ وہ ٹھیک یہی کچھ کرنے کا منصوبہ بنا رہی تھیں۔ اور آخری بات

○ بھارت ماسکو کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا جس کا اس کے ساتھ بھاری پیمانے پر فوجی لین دین ' دوطرفہ تجارت اور اقتصادی تعلقات ہیں۔

سوویت یونین کے ہاتھوں ضمیر کی فروخت

سوویت یونین کے ساتھ وفاداری اور افغانستان کے بحران کے بارے میں بھارت نے جو سوویت نواز موقف اختیار کیا تھا سوویت یونین نے بھی جواب میں اس کے ساتھ پوری دوستی نبھائی۔ ۱۹۸۰ء میں اپنے نئی دہلی کے دورے میں سابق سوویت وزیر خارجہ آندرے گرومیکو نے پاکستان میں بنگلہ دیش کی تاریخ دہرانے کی دھمکی دے کر بھارتیوں کو خوش کرنے کی کوشش کی اور مارچ ۱۹۸۴ء میں سوویت وزیر وفاع استیانوف نے بھارت کا جو دورہ کیا تھا اس نے اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ سوویت یونین بھارت کے وجود کو درپیش " سلامتی کے خطرات " کے پیش نظران کا موثر توڑ کرنے کے لئے فیاضانہ شرائط پر تازہ ترین اسلحہ فراہم کرنے کے لئے حد سے زیادہ بیتاب ہے۔ اس بات پر چشم پوشی کرتے ہوئے کہ اس سے زیادہ مضحکہ خیز تصور اور کیا ہو سکتا ہے کہ پاکستان بھارت اور سوویت یونین دونوں کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے اور اس لئے انہیں پاکستان کے خلاف آپس میں یکساں جنگی حکمت علمی کی ضرورت ہے۔ اس بات کے شواہد موجود تھے کہ اگر ضرورت پڑی تو سوویت یونین بھارت۔ سوویت مشترکہ حربی حکمت عملی کے فساد کو فروغ دینے کے لئے پیش بندی کے طور پر پاکستان پر حملہ کرنے میں پس و پیش سے کام نہیں لے گا۔ سوویت یونین کی تو کیا بات ' خود بھارت کو پاکستان پر فوجی لحاظ سے زبردست برتری حاصل ہے۔ اس کے باوجود سوویت اخبار " پراودا " نے ان بھارتی اندیشوں کو درست قرار دیا کہ امریکہ اور چین کے اشارے پر اسکا گھیراؤ کیا جا رہا ہے جن کے جنوبی ایشیا میں یکساں مفادات ہیں اور ان مفاوات میں بھارت اور سوویت یونین کے خلاف پاکستان کو فوجی لحاظ سے طاقتور کرنا بھی شامل ہے۔ پاکستان کے خلاف سوویت یونین کی یہ اور اس جیسی دوسری کوششیں تھیں جن کی بناء پر بھارت نے بھی پوری طرح اس بات کی سعی کی کہ کسی بھی عالمی فورم میں افغانستان میں فوجی مداخلت کرنے کے سوال پر سوویت یونین کی مذمت نہ کی جائے (۱۸)۔

راجیو گاندھی نے بحیثیت وزیر اعظم بھارت اپنی والدہ کی جگہ لینے کے فوراً بعد ۳ مئی ۱۹۸۵ء میں ماسکو کا دورہ کیا اور یوں اس اہمیت کو نمایاں کیا کہ بھارت کی خارجہ پالیسی میں سوویت یونین کو کیسا خصوصی مقام حاصل ہے۔ موصوف نے یہ کہہ کر سوویت یونین کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ " اس علاقے میں بھارت ہی وہ واحد ملک ہے جس نے افغانستان میں سوویت فوجی کارروائی پر تنقید کرنے سے احتراز کیا ہے " اور یہ ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ سابق کے برخلاف اس دفعہ جو بھارت سوویت مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں ماسکو یا نئی دہلی میں سے کسی بھی طرف سے مسئلہ افغانستان کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ یوں ۱۹۸۶ء تک پہنچتے پہنچتے بھارت اپنی غیر جانبداری کی پالیسی کو سوویت یونین کی طرف سے حاصل ہونے والی بھارتی فوجی و اقتصادی امداد کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھا چکا تھا۔ تاہم ضمیر کا یہ سودا بڑا سوچا سمجھا ' بڑی چابک دستی سے تیار کیا ہوا اور ایک خاص مقصد کے مطابق وضع کیا ہوا تھا اور یہ مقصد تھا پاکستان کو مستقلاً دباؤ میں رکھنا اور افغانستان کی صورت حال کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنا۔

میں بھی سات سواروں میں شامل ہوں

بھارت اپنے اور سوویت یونین کے باہمی تعلقات سے حاصل ہونے والے بھاری فوائد کی خاطر افغانستان کی غیر جانبدار حیثیت کو قربان کر چکا تھا لیکن جب ۱۹۸۸ء کے اوائل میں افغانستان کے سیاسی تصفیے کے امکانات روشن ہوتے نظر آئے تو اس نے افغانستان کے بحران کے حل کرنے کی کارروائی میں شریک ہونے کی غرض سے اپنی

سفارتی سرگرمیاں تیز کر دیں (۱۹) ۔ اس ضمن میں راجیو گاندھی نے صدر ضیاء کو مسئلہ افغانستان پر صلاح و مشورہ کے لئے نئی دہلی آنے کی جو ناکام دعوت دی اور جس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی کوتوال کسی کو سمن کے ذریعے طلب کرے لوگوں کی نظر میں بڑی ہی " بھونڈی " اور " تلوار کھڑکھڑانے سے اتر کر بانسری بجانے " والی قلا بازی کے مترادف تھی ۔

افغانستان کے بارے میں نئی دہلی کی پالیسی میں یہ اچانک تبدیلی بھارت کے پڑھے لکھے طبقے، سابق سفارت کاروں اور حزب اختلاف کے سیاست دانوں کے لبوں پر استہزائی مسکراہٹ لائے بغیر نہیں رہ سکی ۔ یہاں تک کہ وہ بھارتی اخبارات جو عموماً بڑے متعصب، بلند آہنگ اور من موجی ہیں اس قلابازی پر چونکے بغیر نہ رہ سکے ۔ بعض بھارتی اخبارات نے تو کھلم کھلا غیر وابستہ اور غیر جانبدار افغانستان کے خلاف جارحیت کی حمایت کرنے کی بھارتی پالیسی پر تنقید کی (۲۰) ۔ مثال کے طور پر " ٹائمز آف انڈیا " نے اپنی ۲۵ جنوری ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں اپنے اداریئے میں " نامناسب عجلت " کے زیر عنوان تحریر کیا کہ " بیرونی ملکوں کے ساتھ بھارت کے تعلقات کے ضمن میں بھارت کا کوئی اور اقدام اتنا تضحیک کا موجب نہیں بنے گا جتنی اس کی وہ حرکت جو وہ افغانستان کے سیاسی تصفیے کی تلاش میں اپنے لئے مصالحتی کردار کے حصول کے لئے کر رہا ہے " ۔ اخبار نے راجیو گاندھی سے درخواست کی کہ ان کے لئے یہی بہتر ہو گا کہ وہ افغانستان کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور سری لنکا پر توجہ دینے کی کوشش کریں جہاں بھارتی فوج، اس کی ساکھ اور مفادات داؤ پر لگے ہوئے ہیں ۔

مسئلہ افغانستان کے حل کے لئے ظاہر شاہ سے کام لینے کی کوشش کو جس کے ساتھ روم میں نٹور سنگھ کی ملاقات کو صدر ضیاء نے بادشاہت کے لئے " بوسۂ مرگ " قرار دیا تھا نیز بھارت کی طرف سے دوسرے متعلقہ فریقوں سے رابطہ کر کے افغانستان کے بحران کے بارے میں خود کو سرگرمی کے ساتھ متعلق کرنے کے اقدامات کو " امرت بازار پتر یکا " نے مضمون بہ عنوان " افغانستان ۔ بھارت اور دوسروں کے لئے سبق " میں تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ جب افغانستان کا بحران شروع ہوا تو اس وقت نئی دہلی نے طے کیا تھا " بھارت اور سوویت تعلقات کی جو اہمیت ہے اسے افغانستان کی قربان گاہ کی بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا " ۔ سوویت یونین نے افغانستان پر بزور اپنی مرضی مسلط کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا بھارت نے اپنے مفادات کے منافی اس فیصلے سے خود کو علیحدہ رکھ کر سوویت یونین کے ساتھ اپنے شجر دوستی کو متاثر ہونے سے بچا لیا تاہم اس اخبار کے خیال میں بھارت کو (ظاہر شاہ والے) انتخاب کی قیمت چکانی پڑی ۔ بھارت ترقی پذیر ملکوں کی بھاری اکثریت اور جنوبی ایشیا میں ہمسایوں کے ساتھ قدم ملا کر نہیں چل سکا ۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسے معاملے میں جو علاقے سے متعلق تھا اس نے موثر کردار ادا کرنے کی اپنی صلاحیت کو نقصان پہنچایا اور اب وہ اپنی اس شدید ناقابلیت کو کم کرنے کی تگ ودو میں لگا ہوا ہے ۔

تاہم جہاں بھارتی اخبارات نے (عام طور پر) اس قسم کی چبھتی ہوئی طنز آمیز باتیں لکھیں اور عالمی پریس نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا اور مدراس کے اخبار " ہندو " نے نئی دہلی کے ان اخلاقی اور غیر اخلاقی دعووں کی حمایت کی جو مسئلہ افغانستان کے تصفیے کے ضمن میں سرگرم کردار ادا کرنے کے لئے کر رہا تھا اور اپنی ۱۹ جنوری ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں لکھا کہ ۔

" افغانستان میں رونما ہونے والے واقعات بڑی طاقتوں میں کسی بھی طاقت کے مقابلے میں بھارت کے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ۔ کیا ایک ہمسایہ ہونے کے ناطے، کیا ایک ممتاز غیر جانبدار ملک کی حیثیت سے اور کیا عالمی امن کے علمبردار ہونے کے رشتے سے ۔ غرضیکہ ہر لحاظ سے بھارت مسئلہ افغانستان کے تصفیے میں کردار ادا کرنے کا نمایاں طور پر حقدار ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ افغانستان کے بارے میں بھارتی ڈپلومیسی کی یہ اچانک اور حیران کن اچھل کود شاید کسی ناواقف کو تو متاثر کر سکے تاہم وہ افغان مرد، عورتیں اور معصوم بچے جو سوویت فوج اور اس کے ہالی موالیوں کے بھاری بوٹوں تلے ناقابل بیان مصائب سہتے چلے آئے ہیں ضرور یہ جاننا چاہیں گے کہ بھارت والے پچھلے دس سال کے عرصے میں ان کی حالت زار سے کیوں تجاہل برتتے چلے آئے ہیں ۔ اسی طرح مہذب دنیا میں آنکھیں رکھنے والے ایسے انصاف پسند لوگوں کی بھی کمی نہیں جو افغانستان کے بارے میں بھارتی موقع پرستی کی پوری طرح مذمت کریں گے اور کہیں گے کہ اخبار " ہندو " نے جو کچھ کہا ہے وہ صدہا سال پرانی پکی بنیا ذہنیت کی غمازی کرتا ہے ۔

بنیاد پرستی بھارتی ڈپلومیسی کے لئے

افغانستان کے المیے پر منہ بند کئے رکھنے اور تقریباً ایک دہائی تک

بے گناہ افغان عوام پر کیئے جانے والے شرمناک جبرو تشدد پر ہمدردی کا ایک حرف تک زبان پر نہ لانے کی قیمت اگلوانے کے طور پر سوویت یونین سے بھاری مقدار میں فوجی سازو سامان ' اقتصادی امداد اور ملی نوازشات وصول کر لینے کے بعد بھارتی ڈپلومیسی نے پچھلے چند مہینوں میں مندرجہ ذیل تین تدابیر پر عمل کرنے کی ابتدا کی۔

○ نئی دہلی نے ظاہر شاہ سے رابطہ قائم کیا اور پھر اسلام آباد کو پھسلانے کی کوشش کی کہ دونوں ایک ساتھ مل کر جنیوا میں مسئلے کے ایک ممکنہ تصفیہ کے حصول کے لئے کام کریں۔

○ مندرجہ بالا بے ڈھنگی بے جوڑ سفارتی کوششوں میں مات کھا جانے پر بھارت نے کابل کی محصور انتظامیہ کو اس بات پر ابھارا کہ وہ معاملات میں بھارت کو بھی شریک کرنے کا مطالبہ کرنے کی غرض سے جنیوا مذاکرات میں ڈیورینڈ لائن کا مسئلہ اٹھائے۔

○ اس قسم کی منفی سفارتی کوششوں میں ناکام ہو جانے اور بھارتی اثرات کے نفوذ کے لئے افغانستان کا دروازہ کھلوانے کی کوشش میں شکست کھانے کے بعد مسٹر راجیو گاندھی نے بنیاد پرستی کے خطرے کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا یعنی یہ کہ کابل میں مسلم بنیاد پرست حکومت کا قیام افغانستان اور بھارت میں سے کسی کے بھی مفاد میں نہیں ہے۔ مسٹر راجیو گاندھی کے خیال میں اس قسم کی حکومت پاکستان کی سلامتی کے لئے بھی خطرہ ہو گی۔

کابل میں کسی بنیاد پرست حکومت کے کردار پر بھارت کے اعتراضات اور بھارت کی سلامتی کے لئے ایسی حکومت کے قیام کے ممکنہ مضمرات پر ہو گا؟ ہم یہاں زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ کہنا کہ آئندہ دنوں یا مہینوں میں افغانستان کی مستقبل کی حکومت کس نوعیت کی ہو گی خاصا قبل از وقت ہو گا مزید برآں یہ بات کہ افغانستان کی مستقبل کی حکومت سے پاکستان کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے اس پر بھارتی حکومت کو سر کھپانے اور خواہ مخواہ پریشانی میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور یہ اس لئے کہ اگر پاکستان افغانستان میں بھارت نواز اور سوویت نواز حکومتوں کے ساتھ چار دہائیوں تک نپٹ سکتا تھا تو وہ وہاں ایک ممکنہ اسلامی حکومت کے ساتھ بھی گزارا کر سکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ ایک لمبے عرصے تک سوویت یونین کے ان عزائم میں شریک رہنے کے بعد جن کا مقصد افغانستان کے اسلامی کردار اور تشخص کو مٹا دینا تھا کسی ایسی حکومت کے قیام کے امکانات کے روشن ہونے سے جس میں مجاہدین کا غلبہ ہو بھارت کے پالیسی ساز افراد کو کابل کی مستقبل کی خارجہ پالیسیوں کے بارے میں وگومگو میں مبتلا کر دیا ہے جن کے بارے میں انہیں اندیشہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ پاکستان کی پالیسیوں سے ہم آہنگ اور ایران کے حق میں نہایت ہمدردانہ ہونگی ان تین مسلم ممالک ایران ' افغانستان اور پاکستان کا اتحاد ثلاثہ اپنے پڑوسیوں کو دبا کر رکھنے والی بھارت کی دیرینہ خواہش سے میل نہیں کھاتا۔ ان تین ملکوں کا آپس میں قریب آنا جس سے علاقے میں بھارت کے اپنا غلبہ قائم رکھنے کے عزائم خطرے میں پڑنے کا احتمال ہے نئی دہلی کے لئے ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں۔

تاہم مسلم اقوام کے احیاء پر سوویت یونین کی تشویش بھارت والوں سے کہیں زیادہ تھی۔ سوویت یونین اور اس سے پہلے اس کے پیش رو زاروں نے مسلم قومیتوں کو کچلنے ' ان کو ان کی جگہوں سے اکھاڑ پھینکنے اور ختم کرنے کے لئے سالہا سال تک کوشش کی۔ لیکن وہ اپنے اس مذموم مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ تاہم زاروں نے وسطی ایشیا میں توسیع پسندی کی جس سیاست سے کام لیا تھا وہ دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر سوویت حملے نے جس کا مقصد وہاں اسلامی حکومت کے قیام کے امکان کا سدباب کرنا تھا اگلے پچھلے تمام ریکارڈ مات کر دیئے۔ سوال یہ ہے کہ وسطی ایشیا کے جنوب میں واقع مسلم اقوام سے متعلق سوویت عزائم کے پس منظر میں کابل میں ایک اسلامی حکومت کے ممکنہ قیام کے بارے میں بھارتی خوف و اندیشہ اور وسطی ایشیا کی مسلم جمہوریتوں اور افغانستان سے متعلق سوویت زار پالیسیوں کے درمیان کونسا بڑا فرق رہ جاتا ہے یا پھر بھارتی حکومت زاروں اور سوویت یونین کے نقش قدم پر "گو ایک مختلف سمت میں" چلنے کا ارادہ رکھتی ہے؟

وہ سوویت یونین ہو ' امریکہ ہو ' بھارت ہو یا بین الاقوامی سیاست میں کوئی اور طاقت اور عنصر ہو سب کے سب اس کوشش میں لگے ہیں کہ مسلم احیاء کو اپنا تابع فرمان کیا جائے ' اسے منتشر کر دیا جائے اور اس پر بند باندھ دیا جائے۔ اسلامی احیاء کے بارے میں ان کی پالیسیوں اور ان کی سوچ کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ریاستیں اپنے جغرافیے کی پابند ہوتی ہیں اور جغرافیائی محل و قوع کسی بھی دوسری چیز کے مقابلے میں قسمت پر منحصر ہے ' مرضی اور ترجیح کی بات نہیں۔ مسلم دنیا کی منفرد تزویراتی جائے وقوع ' تیل اور دوسرے

قدرتی وسائل کے لحاظ سے افراط ' اس کی معیشت اور منڈیاں ' اس کی اہم بحری گزر گاہیں اور— یہاں اس کا دنیا کے تین اہم براعظموں یعنی ایشیا ' افریقہ اور یورپ کی بہترین ملن گاہ ہونا ' یہ سب باتیں مغربی سرمایہ دار دنیا اور کمیونسٹوں دونوں کی نظروں میں کھٹکتا ہے ۔ علاوہ ازیں جس قوت اور پامردی کے ساتھ مسلم ممالک اپنے علاقوں ' اپنے تشخص ' اپنے مذہب اور اپنی آزادی کے خلاف دراز دستیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں انھوں نے ان سب کو ششدر کر کے رکھ دیا ہے اور اس سے زیادہ کوئی اور چیز ان کو عزیز نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک ایسے متحد اور علاقائی لحاظ سے مربوط مسلم بلاک کے وجود میں آنے کی راہ میں روڑے اٹکائیں جو تمام مغربی ایشیا اور مشرق وسطیٰ پر محیط ہو اور آخری بات ۔ اس قسم کے منظرنامے کے وجود میں آنے کا یہی وہ خطرہ ہے جس کو بھارتی قیادت دوسری طاقتوں کے ساتھ مل کر ختم کرنا چاہتی ہے ۔ کیونکہ مغربی ایشیا کے مسلم ممالک آپس میں مل کر دوسروں کو زیر اثر رکھنے کے بھارتی عزائم کی راہ میں سد راہ ثابت ہو سکتے ہیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھارت کو موافقانہ حیثیت اختیار کرنے پر مجبور کردیں۔

کابل میں نجیب سے دوستی کی پینگیں

تمام علاقائی صورت حال میں کم از کم جنوبی ایشیا میں بھارت ایک بڑی طاقت تصور کیا جاتا ہے اور وہ دوسروں کو دھونس دینے اور اپنے ہمسایہ ملکوں میں اسلحہ اور فوجیں بھیجنے کے بدنام زمانہ فن میں بڑا طاق بھی ہے ۔ تاہم افغانستان کے بحران کے معاملے میں راجیو گاندھی کی ناکام دعوت کو صدر ضیاء کی طرف سے دھتکار دینے پر بھارت کی جو سبکی ہوئی اور افغانستان کے بارے میں جنیوا امن مذاکرات میں جب اس کو نہیں پوچھا گیا تو بھارتی قیادت نے کابل میں نجیب کے گرتے ہوئے اقتدار کی طرف اپنا رخ کر لیا ۔ جس وقت نجیب نئی دہلی کا دورہ کرنے والا تھا بھارت نے کابل انتظامیہ کو پیشکش کی کہ وہ اپنی فوجی اور اقتصادی امداد کے ذریعے جس کی جنیوا سمجھوتے کے تحت ممانعت کی گئی تھی ' اسے سہارا دینے کو تیار ہے ۔ لیکن افغان عوام کا اعتماد کھو دینے کے بعد بھارت کے سامنے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ وہ یا تو اولاً سوویت قابض فوج کے ساتھ مل کر یا پھر ڈاکٹر نجیب اللہ کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلے ۔ مجاہدین کو شکست دینے کی حد تک سوویت برتری کو تسلیم کرنے اور اسلامی اثرات کو دور رکھنے کے لحاظ سے بھارتیوں اور نجیب اللہ کے مفادات ایک جیسے ہیں ۔ خالصتاً اس بناء پر بھارتی حکومت نے کابل میں نجیب سے پینگیں بڑھائیں اور موخر الذکر کو بھی جب جنیوا میں ضامن بڑی طاقتوں سے سمجھوتے میں اس کی حکومت کی یقینی موت کی تصدیق کر دی تھی بھارت کی صورت میں ایک مسیحا مل گیا"۔

مسئلہ افغانستان میں کردار انجام دینے کی خواہش میں بھارتیوں نے خود کو بھی نجیب انتظامیہ کی حمایت کرنے تک محدود ہی رکھا ۔ افغانستان میں بھارت کے سابق سفیر ڈکشٹ نے مبینہ طور پر افغانستان میں آباد بھارتی نژاد لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ مجاہدین کے خلاف سوویت نواز انتظامیہ کی سرگرمی سے مدد کریں ۔ افغان عبوری حکومت کے صدر جناب صبغت اللہ مجددی نے تو بھارت پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ اس نے اپنی فوج افغانستان بھیجی اور اس کے ہوا بازوں نے مجاہدین کے خلاف جنگی طیاروں کی پروازوں میں حصہ لیا تاہم افغانستان میں بھارت کی تمام تر کوششوں کا مقصد اس کام میں کامیابی حاصل کرنا تھا۔ جس میں سوویت یونین ناکام ہو چکا تھا۔

- غیر وابستہ ملکوں اور تیسری دنیا کے مقاصد کے علمبردار کی حیثیت سے اپنا اعتبار قائم کرنا جو افغانستان اور کمپوچیا کے سلسلے میں نئی دہلی کی عوام دشمن اور غیر وابستگی دشمن پالیسیوں کے سبب تہس نہس ہو کر رہ گیا ہے۔
- کابل ' دہلی ' ماسکو محور کے ذریعے پاکستان میں مقیم مجاہدین کو کابل انتظامیہ کے ساتھ چلنے کے لئے دباؤ ڈالنا۔
- کابل میں ماسکو حامی اور بھارت نواز حکومت کے ذریعے پاکستان کے خلاف افغانستان کے اہم لسانی علاقوں کے حصول کے جذبے کو درپردہ تزویراتی مقصد کے طور پر زندہ رکھنا تاکہ پاکستان کی قومی سلامتی کو ایک دو رخ تناظر میں الجھائے رکھا جا سکے جو پاک بھارت سرحد پر کسی امکانی یا واقعی ہنگامی ضرورت کے وقت مغربی سرحدوں سے مشرقی سرحدوں کو نقل و حمل کے ذرائع کی منتقلی کی راہ میں زبردست مشکلات پیدا کئے رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکے
- غذائی اشیاء اور فوجی مشیر بھیج کر بلکہ افغانستان میں آباد پچاس ہزار بھارتی باشندوں کو کابل انتظامیہ کی حمایت کرنے پر آمادہ کر کے

بھارت خود کو ایک علاقائی طاقت کے مرتبے کے لئے اپنی متکبرانہ اور اندھی کوشش کو کم از کم علامتی طور پر ہی سہی تقویت دینا چاہتا ہے

○ بھارت کے آس پاس ہمسایہ ملکوں کی طرح افغانستان میں بھی سیاسی عدم استحکام اور معاشرتی انتشار بھارتی مفاد میں ہے بالفاظ دیگر نئی دہلی دیدہ و دانستہ خود کو اس حیثیت میں پیش کرنا چاہتا ہے گویا کہ وہ دائمی طور پر غیر مستحکم ملکوں اور تاریخ کے منتشر اوراق میں ایک طاقتور مستحکم کردار ہے۔

○ کابل کی مستقبل کی حکومتوں پر اپنا سیاسی دباؤ قائم رکھنا جس سے افغانستان کو ترکی، ایران اور پاکستان کی کسی مربوط ہم آہنگ تنظیم میں شمولیت سے باز رکھا جاسکے۔

خاتمہ کلام ------ واحد مقصد

افغانستان کے انتشار اور طویل سیاسی پراگندگی میں بھارت کی دلچسپی اور اس میں کوئی کردار ادا کرنے کے لئے اس کی خواہش کا منبع پاکستان کے خلاف نئی دہلی کا انتہائی شدید غبار ہے ۔ افغانستان کی کوئی بھی ایسی کشیدہ صورت حال جس سے بھارتی قیادت کی نظروں میں پاکستان کو نقصان پہنچتا ہو نئی دہلی کے حق میں جاتا ہے ۔ چاہے کوئی پیمانہ استعمال کیا جائے افغانستان کسی بھی طرح بھارت کا قریبی ہمسایہ نہیں بنتا نہ اس سے بھارت کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے ۔ افغانستان بھارت کے لئے ضروری خام مال کا ذریعہ بھی نہیں ۔ نہ وہ بھارت کے لئے کوئی اہم تجارتی منڈی کی حیثیت رکھتا ہے، نہ دونوں ملکوں میں کوئی نسلی، مذہبی یا ثقافتی رشتہ ہے، افغانستان کے ساتھ بھارت کی دلچسپی اسے پاکستان کے خلاف ایک دباؤ کے طور پر استعمال کرنے سے تعلق رکھتی ہے ۔ افغانستان سے متعلق بھارت کی تمام تر پالیسی پاکستان کو دو طرفہ جنگ میں پھنسانے سے متعین ہوتی ہے (۲۲) ۔ چنانچہ پاکستان سے شدید نفرت اور اس سے نمٹنا ہی افغانستان کے بارے میں بھارت کی پالیسی کا مقصد واحد ہے۔

بھارت اور سوویت یونین کے موجودہ دھمکی آمیز رویئے کے علاوہ جو اسلام آباد کو بار بار یہ یاد دلاتا رہتا ہے کہ افغانستان کے بحران کے سلسلے میں اسے مار مار کر اس کا منہ لال پیلا کر دیا جائے گا پاکستان کو جیسا کہ اس کا جغرافیائی محل وقوع اسے وسطی ایشیا اور جنوبی ایشیا کے نازک مسائل میں بہت بری طرح الجھانے کا موجب ہے آزاد ہونے کے وقت سے لے کر اب تک اسے اپنی طبعی جائے وقوع اور امکانی تزویراتی اہمیت کے نتائج کا سامنا ہے ۔ اس پس منظر میں رکھ کر اگر دیکھا جائے تو باہمی جھگڑوں اور افغانستان کے ضمن میں پاکستان کو جن مسائل کا سامنا ہے ان کی موجودگی میں بھارت اور سوویت یونین کے سیاسی، تزویراتی مقاصد ایک جیسے نظر آتے ہیں ۔ ایسے فوجی مقاصد کے لئے نئی دہلی پاکستان کے اردگرد رونما ہونے والے حالات کو سوویت یونین کی عینک سے ہی دیکھ سکتا تھے ۔ کابل میں کسی بھی قسم کی حکومت اگر وہ پاکستان کی مخالف ہے تو بھارت اس کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے کو ترجیح دے گا۔

مترجم حبیب اللہ فخری

حوالہ جات

1. Jagat S. Mehta, "The Afghan Scenario - why India stands marginalised?" *Indian Express*, New Delhi, 30 March 1989.

2. S. M. Burke, *Pakistan's Foreign Policy*, London, 1973, p. 209

3. Kuldip Nayar, *Report on Afghanistan, New Delhi*, 1981, p. 14.

4. Robert C. Horn, "Afghanistan and the Soviet-Indian influence Relationship", *Asian Survey*, Los Angeles Vol. XXIII, No. 3, March 1983, p. 245.

5. *Keesings Contemporary Archives*, 12 October 1979, p. 29881.

6. *Ibid.*

7. *Ibid.*

8. Bhabani Sen Gupta, quoted in Sadhan Mukherjee, *Afghanistan: From Tragedy to Triumph*, New Delhi, 1984, p. 202

9. Partha S. Ghosh and Rajran Parda, "Domestic support for Mrs. Gandhi's Afghan Policy : The Soviet Factor in Indian Politics, " *Asian Survey*, op. cit, pp 261-62

10. Samarendra Kundu, "India and the Afghan Impasse,"*The Statesman*", New Delhi, 17 March 1988.

11. Ghosh and Parda, op. cit.,pp. 261-62.

12. *Ibid.*

13 Bhabani Sen Gupta, "India's Soviet Connection," *Amrita Bazar Patrika*, Calcutta, 10 April, 1982.

14. *Ibid.*

15. *Ibid.*

16. *Link*, New Delhi, 3 October 1982.

17. *Organiser*, Delhi, 1 April 1984.

18. *Pravda* quoted in Horn, op. cit, p. 248.

19. Editorial entitled "Implications of Najib's Visit," *The Nation, Lahore*, 6 May 1988.

20. Ghani Eirabi ,"*What motivated India's Afghan Policy*," *The Muslim*, Islamabad, 12 July 1988.

21. Editorial entitled "Implications of Najib's Visit," *The Nation*, 6 May 1988.

22. Eirabi, op. cit.

ادارہ کی مطبوعات

مرزا شفیق حسین: کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد ، ۱۹۳۹ء - ۱۹۳۱ء (منتخب دستاویزات ، ۱۹۸۵ء ، ۵۴۱ ص --- =/۱۰۰ روپے

ایچ - بی - خان: برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار ، ۱۹۸۵ء ، ۴۷۶ ص --- =/۱۲۵ روپے

اے ڈی مضطر: خاکسار تحریک اور آزادی ہند ، ۱۹۸۵ء ، ۱۲۰ + ۴۳۰ --- =/۱۲۰ روپے

آغا حسین ہمدانی: آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس - (دستاویزات) صدارتی خطبات اور قرار دادیں ، ۱۸۸۶ء - ۱۹۰۶ء - دو جلدیں
جلد اول = ۱۹۸۶ء ، ۱ تا ۳۶۸ + ۱۸ ص --- =/۱۵۰ روپے
جلد دوم = ۱۹۸۶ء ، ۳۶۹ تا ۵۴۴ + ۲۱ ص --- =/۵۰ روپے

محمود الرحمان: جنگ آزادی کے اردو شعراء: ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ، ۴۳۲ + ۲ --- =/۱۲۰ روپے

محمد سعید: آہنگ بازگشت ، طبع دوم ، ۱۹۸۹ء صفحات ۵۰۴ --- =/۱۱۰ روپے

میاں اکبر شاہ مترجمہ سید وقار علی شاہ: آزادی کی تلاش ، ۱۹۸۹ء ، ۳۶۴ + ۲۱ ص ص --- =/۱۵۰ روپے

سید محمد ذوالقرنین زیدی الہما: قائد اعظم کے رفقاء سے ملاقاتیں ، ۱۹۹۰ء ، ۱۴۴ ص ص --- =/۷۰ روپے

سید وقار علی شاہ: پیر صاحب مانکی شریف اور ان کی سیاسی جدوجہد ، ۱۹۹۰ء ، ۱۸۴ ص ص --- =/۷۰ روپے

مرزا شفیق حسین: آزاد کشمیر ایک سیاسی جائزہ ۱۹۴۷ء - ۱۹۷۴ء ، ۱۹۹۰ء ، ۴۷۶ ص ص --- =/۲۵۰ روپے